Shabd Braham E ISSN 2320 – 0871

International Research Journal of Indian languages 17 January 2017

Peer Reviewed Refereed Research Journal

Rural Life In Urdu Fiction

Masrat Hamzah Lone (Research Scholar)
School Of Language
Devi Ahilya University
Indore, Madhya Pradesh, India

اُردو فکشن ...اور دیہاتا

مسرت حمزہ لون .... ریسرچ اسکالر

فکشن اپنے دور کا آئینہ ہوتا ہے اوراُردو فکشن نے ہر دور میں

کی طرح فن کی پابندیوں میں ملبوس ایک مقصد اور ڈرامہ کی طرح قاری کے دل میں آگے کا حال جاننے کا اشتیاق سب کچھ سمو گیا ہو ۔

جہاں تک اُردو فکشن میں دیہاتی زندگی کی عکاسی کا تعلق ہے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اُردو کی تمام نثری داستانوں میں ہمیں جو عناصر ملتے ہیں وہ صرف نہ دیہات سے ہٹ کے ہے بلکہ وہ آج کے دور کے مزاج کے بالکل برعکس ہیں۔ مافوق الفطری عناصر، دیو، پری کے قصے، ہیرو کی ہمیشہ فتح، کسی جن کا شہزادی پر عاشق ہوجانا، حُسن کے مختلف جلوے، زمین کے نیچے خوبصورت باغ ہونا وغیرہ کا ذکر یہ داستانیں آج کے لئے مضحکہ خیز ضرور ہے لیکن اپنے اپنے عہد کی دلچسپی کا اہم ذریعہ ہے اس کے بعد کی داستانوں پر غور کیجیے خصوصاً فورٹ ولیم کالج کی داستانیں جو انگریزوں کی آمد کے بعد ترجمہ کی گیئں، ان میں زبان و بیان اور قصے کی ایک بدلتی ہوئی شکل نظر آتی ہیں خصوصاً 'باغ و بہار'

اس کے ساتھ ساتھ 'سب رس' 'رانی کیتکی کی کہانی' 'فسانہ عجائب' یہ داستانیں فورٹ ولیم کالج اور آس کے باہر کی پیداوار ہیں۔ یہ داستانیں اُس وقت لکھی گیئں جب مغلیہ سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ان داستانوں میں دیہاتی عناصر نظر نہیں آتے، لیکن بدلتا ہوا سماجی شعور، بیدار ہوتا ہوا سماجی ذہن، لاشعوری طور پر ان میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے ۔ میمونہ بیگم انصاری اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں :

"جیسے جیسے یہ قصے زمانے کے قریب لکھے جارہے تھے ان کے اندر ہلکا ہلکا احساس کروٹیں لیتا ہوا محسوس ہوتا جارہا تھا باغ و بہار کا اسلوب ، داستان امیر حمزہ کی زبان اور بوستان خیال کی سادگی ادب کو زندگی کے قریب لانے پر صاف دلالت ہوئی معلوم ہوتی ہے"

(داستان سے ناول تک ... علی احمد فاطمی)

اگر چہ ان نثری داستانوں میں دیہاتی زندگی کی عکاسی نہیں ملتی ہے لیکن ان کی یہ کاوش کیا کم ہے کہ انہوں نے سماج کی مثبت رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ داستان، ناول اور افسانہ اُردو فکشن کے مختلف پڑاو ہے جیسے جیسے انسان کے شعور اور ذوق میں تبدیلی آتی گئی ویسے ویسے فکشن کی شکلیں اور کہنے کے انداز میں تبدیلیاں آتی گئی ۔ اُردو نثر میں داستان سے افسانہ تک اور شاعری میں مسدس، مرثیہ، نظم اور غزل تک ہر جگہ ہمیشہ فنکاروں کے توسط سے ان کے دور کے حالات، خیالات اور محرکات کا ہمیشہ اندازہ ہوتا رہا ہے۔ اُردو افسانوی ادب میں داستانوں نے جنم لیا تو ان کا مقصد تھکے ہوئے ذہنوں کو سکون فراہم کرنا تھا ان تھکے ہارے انسانوں کو اپنے سارے بدن کی تھکن دور کرنے کے لئے فطرتا کسی ایسے مشغلے کی جستجوہوئی تھی جو ان کے فطری احساس برتری کو بھی تسکین دے سکے اور ان پر عارضی طور پر ایسی خود فراموشی بھی طاری کرسکے کہ اس ماحول میں حقائق اور تلخیاں نہ ستائیں۔ یا یہ کہا جائے کہ ان کا مقصد خواہ قاری یا سامعین کی دلبستگیہی کیوں نہ رہا ہو۔ وہ اپنے دور کے حالات، لوگوں کی خواہشات و جزبات کی عکاسی کا ذریعہ بنیں۔ اب وقت بدل گیا اور لوگوں کے ادبی تقاضے بھی بدلے ۔ لہزا ناول کا وجود ہوا تو فن کی کچھ پابندیوں کے ساتھ ناول نگار نے اپنے سماج، اس کے کرداروں اور ان کرداروں کے ارد گرد کے ماحول سے متاثر لوگوں کے جزبات و احساسات کی ترجمانی کی۔ ناول نے اپنے ارتقا کے مختلف مدراج و مراحل طے کئے لیکن زمانہ بدلا تو اس کے تغیر پسند مزاج نے ایک دوسری طرف کی کہانی کا مطالعہ کیا۔ ایسی کہانی جو زندگی کی ساری وسعتوں پر حاوی اور اس کی گہرایوں کی ترجمان ہوتے بھی ایک ایسے فن کی علمبردار ہو جہاں ایجاز و اختصار کی حکمزانی ہو۔ جاگیردارانہ نظام اور عشرت پسند تہزیب کے تقاضوں نے داستان جیسی صنف کی تخلیق کی تھی۔ حقائق کے تلخ احساس اورزندگی کے مسائل کو کہانی کے ذریعہ حل کرنے کی خواہش نے ناول کو جنم دیا۔ لیکن وقت میں پہلا سا پھیلاو باقی نہ رہا اور انسان کو اپنے تفریحی مشاغل میں کاٹ چھانٹ کرنی پڑی اور اس کے مزاج نے ایسی کہانی کی طلب کی جس میں کم جگر کاوی کرنی پڑے۔ جس کی وجہ سے افسانہ وجود میں آگیا جس میں داستان کی طرح قاری کے لئے دلچسپی کا سامان، ناول

Shabd Braham
E ISSN 2320 – 0871
International Research Journal of Indian languages
17 January 2017
Peer Reviewed Refereed Research Journal

اس کی فتح کے جھنڈے ہیں۔ چہرے پر چمک آگئی ہیرا کی ممنونیت میں اس کی زندگی کی ساری کامیابی مجسم ہوگئی ہے"

(اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ ۔ سُنبل نگار ص۔ ۱۲۷)

گئودان دیہی معاشرہ کی حقیقی تصویر بن گئی ہے۔ ایک ایسی تصویر بن گئی جو آئینہ کا کام دیتی اور دیہی زندگی کو پوری طرح قاری کے ذہن پر منعکس کر دیتی ہے۔ اُس نظام کی دین یہ تھی کہ زمیندار من مانی کرنے کے لئے آزاد تھے اور اپنی کسی بھی خواہش کی تکمیل کے لئے اُن کو انسانی قدروں کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ تھا۔ کسانوں کی محنت کا فائیدہ خود اُٹھاتے اور اپنے عالیشان ایوان کی تعمیر کرتے۔ گئودان ان تمام پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے، دیہی معاشرے کے چہار جانب بکھرے ہوئی غربت، افلاس، پسماندگی اور غلامانہ ذہنیت بیدار کرنے والی رسوم کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ سارے محرکات و عوامل سامنے آتے ہیں جو ان حالات کے زمیندار ہیں :

" پرجا کے پاس لگان دینے کو کچھ نہیں، مگر سرکار لگان وصول کرکے چھوڑے گی، چاہے کسان بک جائے، زمین بے دخل ہوجائے، اس کے برتن بھاڑے، بیل،بچھیا، اناج، بھوسا سب کا سب بک جائے "

(بحوالہ "کہانی کار" پریم چند نمبر جولائی۔ ص نمبر ۳۰)

پریم چند کے ناول کسی محدود اور مخصوص معاشرے کے بجائے ہندوستان کے شہروں اور دیہاتوں، اس کے نچلے اور متوسط طبقوں اور اس کی تہزیبی اور قومی اُلجھنوں اور کش مکشوں کے آئینے ہیں۔ ایسے آئینے جن کی جلا نہ ظاہر کو پوشیدہ رکھتی ہے نہ باطن کو۔ ۱۹۳۶ میں انجمن ترقی مصنفین کے قیام نے ہندوستانی ادیبوں کے تخلیقی رویہ میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی۔ اس دور کے جن ادیبوں نے ناول کو اظہار کا ذریعہ بنایا وہ پریم چند سے زیادہ کھلے ذہن، گہرے سیاسی تفکر اور تازہ احساس کے مالک تھے لیکن ان کے یہاں دیہات کی زندگی کی عکاسی نہیں ملتی بلکہ انہوں نے مختلف موضوعات پر اپنا قلم اُٹھایا اس کے بعد چند ہی ایسے ناول لکھے گئے جن میں دیہات کی جھلکیاں نظر آتی ہے۔ کرشن چند کا ناول "شکست" اگر چہ بنیادی طور پر رومانی ناول ہے لیکن کہیں کہیں ان رومانی ہواوں میں ہمیں گاؤں کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کی ناول "ایک چادر میلی سی" میں پنجاب کے دیہاتوں، جمیلہ ہاشمی کا "تلاش بہاراں" اور "چہرہ بہ چہرہ رو بہ رو" مستنصر حسین تارڑ "بہاؤ" کے ناولوں میں دیہاتی اور شہری کی دوئی اور باہمی ترسیل کا بحران ہے۔ دراصل ناولوں کی تاریخ بہت قدیم نہیں ہے پھر بھی ناولوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے تاہم دیہاتی زندگی پر لکھے گئے ناولوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتے ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ چند ہی حضرات ہی اردو ناول کے لئے راہیں ہموار کی۔ جس نے پہلی بار حقیقی زندگی کو ادب سے متعارف کروایا۔ اس سے پہلے ہمارے ادب میں' طلسم ہوش ربا کے عمر و عیار' 'باغ و بہار کے چار درویش' 'سرور کا جان عالم' وہ کردار ہیں جو ہماری اس حقیقی دنیا سے بہت دور کے نظر آتے ہیں۔ اگر چہ اردو ناول میں مولوی نزیر احمد اور مرزا ہادی رسوا کے کردار بے شک عام زندگی سے قریب ہیں۔ مگر ان میں زیادہ تر کا تعلق اونچے یا متوسط طبقے سے ہے اور پریم چند پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے دیہاتاور دیہات کے مسائل پر قلم اٹھایا۔ انھوں نے ہندوستان کے غریبوں کا سُن سُنایا حال نہیں لکھا بلکہ خود ان سے ناتا جوڑا، ان کے مسائل و مصائب کو سمجھا۔ کسانوں اور مزدوروں کے پسینے کی بُو باس پریم چند کے ناولوں میں بسی ہوئی ہے اسی لئے انہوں نے کہا ہے کہ :

" اگر آپ دیہات کے کسی گھر کا نقشا کھینچ رہے ہیں تو جب آپ کے کہانیوں میں گوبر اور بھوسُے کی خشکی پڑھنے والے کو محسوس نہ ہو اس وقت تک یہ منظر کشی کامیاب نہیں کہی جاسکتی "

اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ.... سُنبل نگار ص ۱۲۲

پریم چند نے ناول نگاری کا آغاز "اسرار معابد " سے کیا لیکن پہلی بار دیہاتی زندگی کے مسائل کو"گوشہ عافیت" میں اُجاگر کیا۔ یہ پریم چند کا پہلا ناول ہے جس میں کسانوں کی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے اس کے بعد "میدان عمل" پریم چند کا ایک کامیاب ناول ہے جس میں پریم چند نے کسانوں کے ساتھ مزدوروں کو بھی متحد کیا ہے اور سب کو کندھا سے کندھا ملا کر منزل کی طرف بڑھتے دکھایا ہے "امرکانت" اس کا مرکزی کردار ہے اس کے بعد ۱۹۳۰ کے قریب پریم چند کا شہکار ناول "گوُدان" وجود میں آیا۔ جو کہ ان کے فن کا معراج تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں شہر اور دیہات دونوں کی کامیابی مرقع کشی نظر آتی ہے۔ ایک غریب کسان ہوری اس کا مرکزی کردار ہے ناول کی پوری کہانی اسی کے ارد گرد گردش کرتی ہے اسے ہندوستان کے مظلوم کسان کا نمائندہ کہا جاسکتا۔ یہ شرافت، دیانتدار اور ایثار کا پُتلا ہے ناول کا مرکزی خیال ایک غریب کسان کی خواہش ہے کہ اس کے دروازے پر گائے بندھی ہوئی ہو۔ یہ خواہش ذرا دیر کے لئے پوری ہوتی ہے اور پھر ساری زندگی اسے مصیبت اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہوری کی اس شکست میں پریم چند کو انسانیت اور شرافت کی جیت نظر آتی ہے اور فرماتے ہیں :

" کون کہتا ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد میں ہارا ہے۔ یہ خوشی، یہ حوصلہ، کیا یہ غرور کی علامت ہے ایسی ہی شکستوں میں اس کی فتح ہے اس کے ٹوٹے ہوئے ہتھیار

Shabd Braham
E ISSN 2320 – 0871
International Research Journal of Indian languages
17 January 2017
Peer Reviewed Refereed Research Journal

ہے بلکہ خود کو افضل ترین سمجھتا ہے اور غریبوں، بے سہاروں اور خصوصاً اچھوتوں کو بلکل گِرا ہوا، یہاں تک کہ انھیں انسان کے بجائے جانور سمجھتا ہے اور ان کی زندگی کو اپنے لئے ہی وقف سمجھتا ہے۔ کہانی کے مرکزی کردار کی بیوی سُکھیا کا یہ بیان ملا حظہ ہو :

"سُکھیا نے ایک ہی نظر میں موقع کی نزاکت کو سمجھ لیا، بابوجی بہت دنوں سے جس موقع کی تاک میں تھے، وہ آج تاریکی اور انتیانی کے، چلتوں، انھیں مل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ زمیندار کے جبر کے آگے ایک نہ چلے گی وہ ٹھاکر تھے، ان کے سامنے چمارن کی کوئی نہ سنے گا،"

(کچھ ہنس نہیں ہے۔ علی عباس حسینی ۔ ص ۳۶۔ مطبوعہ ۱۹۳۱)

سدرشن بھی اس خاص بات میں پریم چند سے متاثر ہوئے اور دیہاتی زندگی کے معاشرے پہلو کو اپنا خاص موضوع بنایا۔ ان کے افسانے دیہات کے افسانے ہونے کے باوجود دوسروں کے افسانوں سے الگ ہیں۔ ان کے افسانوں میں "گورومنتر' 'باپ' وغیرہ شامل ہیں۔ اختر اورنیوی کے افسانوں کے دونوں مجموعے 'منظروپس منظر' اور 'کلیاں اور کانٹے' بہار کے دیہاتوں کی اس زندگی کے مرقعے ہیں جس میں سیاست اور نئے معاشی مسائل نے طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کی ہیں۔ سہیل عظیم آبادی نے بھی بہار کے دیہاتوں کو پیش کیا۔ وہاں کے کسانوں کی دُکھ بھری زندگی، سیلاب اور زلزلہ کی تباہی و معاشی استحصال ان کے افسانوں کا محور ہے۔ پریم چند کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری اوپیندر ناتھ اشک نے بڑے خلوص سے کی ان کے افسانوں کے دوسرے مجموعے "عورت کی فطرت" میں پریم چند کا رنگ صاف جھلک رہا ہے "ڈاچی" کے افسانوں میں بھی جابجا اسی اصلاحی اور اخلاقی رنگ کا عکس ہے۔ "احمد ندیم قاسمی' 'راجندرسنگھ بیدی' اور 'بلونت سنگھ' تینوں نے خصوص طور پر پنجاب کی دیہاتی زندگی زندگی کی عکاسی اپنے افسانوں میں کی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیہی پس منظر میں لکھے گئے ان کے افسانے پنجابی دیہاتی زندگی، وہاں کے طرز معاشرت، رہن سہن، طبقاتی نظام، معصومیت اور لڑکپن کے جیتے جاگتے مرقعے پیش کرتے دکھائے دیتے ہیں 'چوپال' 'بگولے' وغیرہ احمد ندیم قاسمی کے دیہاتی زندگی پر مبنی افسانوں مجموعے ہیں 'من کی من میں''چھوکری کی لوٹ'اور 'جب میں چھوٹا تھا' میں بیدی نے پنجاب کے دیہات کی نمایاں عکاسی کی ہے۔ بقول وارث علوی:

نے دہقان اور اس کے ماحول پر مبنی ناول تخلیق کی ہے، تو بُرا نہ ہوگا۔

ناول کے بعد زمانے نے پھر ایک بار کروٹ لی تو صنف افسانے کا وجود عمل میں آیا اور بیسویں صدی کا سورج طلوع ہوتے ہی اس نے برق رفتاری سے اپنےارتقائی منزلیں طے کرتا گیا ایک جانب سجاد حیدر یلدرم اور اس کے پیروکار عشق و محبت، قربانی و ایثار اور اخلاقی اقدار کی باتیں کرتے رہے یعنی ان کا رجحان رومانیت کی طرف تھا۔ لیکن دوسرئ جانب پریم چند نے اس راہ سے انحراف کرکے حقیقت نگاری کی بنیاد ڈالی۔ ان کا اثر زیادہ پھیلا ہوا بھی ہے اور زیادہ گہرا بھی وہ اس طرح کہ پریم چند نے افسانوی ادب کو پہلی مرتبہ دیہاتی زندگی کے ماحول اور مسائل سے روشناس کرایا اور پڑھنے اورلکھنے والوں میں احساس پیدا کیا ہے کہ اس زندگی میں حد درجہ تنوں بھی ہے اور دلکشی تھی۔ "پوس کی رات" "پنچایت" "قربانی" "سہاگ کا جنازہ" "راہ نجات" "کفن" اور "عیدگاہ" وغیرہ میں دیہاتی زندگی کے روشن پہلو نمایاں نظر آتے ہے۔ یہ روایت پریم چند کے دوسرے دور کے ساتھیوں میں "علی عباس حسینی" "اعظم کریوی" اور کسی حد تک 'سدرشن' نے ان سے سیکھی ہیں۔ علی عباس حسینی کے درد مند دل نے دیہات کی زندگی میں درد و غم کے اَن گنت مرقعے تلاش کر لئے اور ان میں اپنے دل کی تڑپ، کسک اور درد و غم کی تاثر شامل کرکے دوسروں کو بھی اپنا شریک غم بنایا، نہ صرف اپنا شریک غم بلکہ ان کا ہمدرد جن کی کہانی افسانہ میں سُنائی گئی ہے۔ علی عباس حسینی کے افسانوں میں 'رفیق تنہائی' 'بہو کی ہنسی' 'سُکھی' اور 'بوڑھا اور بالا' جہاں ایک طرف دیہات کی معاشرتی اور خانگی زندگی کے مبصرانہ مرقعے ہیں وہاں دوسری طرف فن کے حسن و جمال اور سحرکاری کے بحد دلنشین نمونے بھی ہیں۔

اعظم کریوی کے افسانوں کا موضوع بھی دیہات ہے لیکن ان کے دیہات علی عباس حسینی کے دیہاتوں سے مختلف ہے وہ ہندوستان کے ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جہاں سیاست کا قدم دوسرے گاؤں سے پہلے پہونچا اوراس لئے وہاں کے باشندوں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی پر اس کا سایہ کسی اور جگہ سے پہلے اُمنڈ لایا۔ یہی وجہ ہے کہ اعظم کرویوی کے افسانوں کا پس منظر بہت سی جگہ سیاسی ہے۔ اس پس منظر میں ہمیں دیہاتوں کے کردار اُبھرتے اور آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔ 'انتقام' 'گناہ کی دیوار' 'مایا' 'دُکھیا'ان کے دیہاتی زندگی پر مبنی افسانے ہیں۔ افسانہ "انتقام" اپنی نوعیت کا انوکھا افسانہ ہے۔ جو دیہات کے مظلوم انسانوں کی اور جو جاگیرداروں کی بربریت کی ایک ننگی تصویر پیش کرتے ہے۔ انتقام کا زمیندار جو ہر طرح سے غریبوں کا استحصال تو کرتا ہی

Shabd Braham
E ISSN 2320 – 0871
International Research Journal of Indian languages
17 January 2017
Peer Reviewed Refereed Research Journal

" بیدی کے افسانوں میں ہندوستان کی روح جاگتی ہیں اُن کے

افسانوں میں اس دھرتی کی وہ بوباس بسی ہوئی ہے اور اسزمین کے رسم و رواج ،عقائد اور توہمات سے افسانوں کو رنگ و آہنگ ملتا ہے بیدی کی کوئی کہانی مستعار نہیں معلوم ہوتی۔ کس کہانی کی تہزیبی فضا مصنوعی نہیں لگتی"

(راجندر سنگھ بیدی، وارث علوی۔ ص ۵۹)

حیات اللہ انصاری کا میدان بھی الگ ہے وہ یوپی اور خاص کر لکھنو کی شہری اور اس کے گرد پیش کی دیہاتی زندگی کے رازداں ہے۔ 'آخری کوشش' ان کا بہترین افسانہ ہے۔ جس میں ایک غریب انسان کے خواب بھی ہیں۔ شادی بیاہ کی آرزوئیں بھی، رشتوں کی قربت، بھوک اور پیاس کی شدت اور بھر پیٹ کی آگ میں رشتوں کی چتا بھی ------ ہر منظر ہر واقعہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کہانی میں وقوع پزیر ہوتا ہے اور کہانی کے مجموعی تاثر کو مزید شدت بخشا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار گھسیٹے ہے جو کلکتہ میں اپنے پچیس گزارنے کے بعد اپنے گانوں واپس آتا ہے۔ وہاں کلکتہ میں مزدوری کے باوجود اُسے ڈھنگ سے پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا تھا۔ وہاں کی ستم ظریفوں سے گھبرا کر گھسیٹے اپنے گانوں واپس آتا ہے۔ پچیس برس پہلے کی تمام یادیں راستے بھر اس کے ساتھ ہیں۔ گاؤں آکر پتہ چلتا ہے کہ اس کے بابا اب نہیں رہے۔ ایک بھائی فقیرا ہے اور ماں----- ایک بہن کسی کے ساتھ بھاگ گئی دوسرے کی شادی کردی گئی، ایک بھائی جیل کی ہَوا کھا رہا ہے۔ فقیرا اور ماں بس یہ دونوں اور گھسیٹے یہی لوگ تھے۔ ماں تو بس زندگی کے نام پر زندہ تھی۔ حیات اللہ انصاری نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے :

" چیتھڑوں کی انبار میں دفن ایک انسانی پنجر پڑا تھا، جس پر مرجھائی ہوئی بد رنگ کھال ڈھیلے کپڑوں کی طرح جھول رہی تھی۔ سر کے بال بیمار بکری کی دُم کے نیچے کے بالوں کی طرح میل کچیل میں لتھڑ کر نمدے کی طرح جم گئے تھے۔ آنکھیں دھول میں سوندی کوڑیوں کی طرح بے رنگ، اپنے ویران حلقوں میں ڈگر ڈگر کر رہی تھیں۔ ان کے کوئے کیچڑا اور آنسوں میں لت پت تھے۔ گال کی جگہ ایک پتلی سی کھال رہ گئی تھی، جو دانتوں کے غائب ہونے سے کئی تہوں میں ہوکر جبڑوں کے نیچے آگئی تھی"

(بھرے بازار میں، حیات اللہ انصاری، مطبوعہ ۱۹۳۵، ص ۲۱۳)

اس کے ساتھ ساتھ اُردو ادب میں مختلف تحریکیں بھی رونما ہوئیں جس کی بدولت موضوعات کے ساتھ ساتھ ہیت کے بھی نت نئے تجربے ہوئے۔ مختصر طور پر ہم یہیں کہہ سکتے ہیں کہ اُردو فکشن نے مختلف زمانوں میں مختلف روپ اختیار کئے جس کی بدولت نہ صرف اس کی ظاہری شکلیں بدلتی گئی بلکہ اس کے موضوعات میں بھی تبدیلی آتی گئی۔